

## تفسیر ماتریدی یا تاویلات اہل السنہ (۸)

محمد صغیر حسن معصومی

کسی رسول سے کسی فرشتے سے گناہ (نافرمانی) سرزد ہونے کا ذکر تک ثابت نہیں، ہاں بعض ایسے سلف سے اس طرح کی لعزش کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے بعض دینی فروع میں اختلاف کرنے میں ملالت نہیں کی جاتی، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرشتوں کے بارے میں زبان درازی کیوں کی جائے؟ اور مدد اللہ ہی سے ملتی ہے، اور اسی کی توفیق سے گناہوں سے بچنا ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا: ”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ؟“ ’بیشک میں زمین میں اپنا ایک قائم مقام بنانے والا ہوں، فرشتوں نے عرض کیا: ”کیا اے اللہ: تو زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو زمین میں خون ریزی اور فساد برپا کریں گے۔“

(بقیہ 'وٹ')

حضور نے فرمایا! اے عمر واپس آؤ، بے شک تمہارا غصہ عزت ہے، اور تمہاری خوشی حکم، بے شک آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی نماز فرشتے ادا کرتے ہیں، وہ لالائے کی نماز سے بے نیاز ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: حضور! ان کی نماز کیسی ہے؟ آپ نے ”نحوہ جواب نہ دنا البتہ فوراً جبریل آئے اور یہ کہا: اے اللہ کے نبی! آپ سے عمر کو سلام کہتے ہیں، اور ان سے بیان کیجئے پوچھا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں، تو جبریل نے کہا: عمر کو سلام کہتے ہیں، اور ان سے بیان کیجئے کہ سماء دنیا کے لوگ قیامت تک کے لئے سر بسجود ہیں، کہتے ہیں: سبحان ذی الملوک و الملکوت، اور دوسرے آسمان والے قیامت تک کے لئے رکوع میں ہیں کہتے ہیں: سبحان ذی العزۃ و الجبروت، اور تیسرے آسمان والے قیامت تک کے لئے قیام میں ہیں کہتے ہیں: سبحان العلی الذی لا یموت، اپنی تفسیر میں طبری نے اس حدیث کو اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”وَنَحْنُ نُسَبِّحُكَ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، کی تاویل بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے، اور ابو نعیم نے حنیہ میں طبری کے شیخ محمد بن حمید کے واسطے سے روایت کی ہے (ج ۴ ص ۲۷۷، ۲۷۸) حدیث کا آخری حصہ الدرالمشور میں مذکور ہے، دیکھئے جلد ۱ ص ۴۶۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ فرشتوں سے لغزش ہوگئی، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قول (میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) کے مقابلے میں یہ کہنا مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ فرشتوں کی باتیں عقاب و سر زلش کی حامل تھیں، گویا فرشتے اللہ سے کہہ رہے ہیں: ”کیا آپ ایسا کرتے ہیں،“ حالانکہ ہم ایسا کرتے ہیں، ان کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب اللہ کے فعل کا انکار کرنے والے تھے۔

اس مفہوم کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرتے ہیں: ”یشک میں وہ جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے،“ یعنی انتہائی جہالت میں اگر نہ ہوتے تو ایسے قول کا کہنے والا اپنے جیسے قول سے پرہیز کرتا، کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جس کو وہ خود نہیں جانتے۔

اسی طرح اس مضمون کی تائید اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کو امتحان میں مبتلا کرنے سے بھی ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے اسماء کے بارے میں سوال کرنے کے ساتھ فرمایا: ”اگر تم سب سچے ہو،“ اگر یہ بیشتر سے معلوم نہ ہوتا کہ یہ لوگ وعید کے مستحق ہیں تو ”ابثونی باسماء“ کہنے کے وقت جملہ شرطیہ کے استعمال کا فائدہ متصور نہ ہوتا، کہ یہ تو بیخ و سرزلش کا مقام ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”أجعل فیہا من یفسد فیہا،“ در حقیقت ابلیس کا قول ہے، اسی نے یہ قول پیش کیا تھا، اگرچہ یہ بات ساری جماعت کے نام کے ساتھ منسوب ہوئی کیونکہ جماعت کی جانب سے ایک فرد کا خطاب کرنا جائز ہے، اسی طرح جماعت کا ذکر کر کے ایک کو مراد لینا بھی جائز ہے۔ اگرچہ یہاں آیت پاک سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے فرشتوں کو خطاب کیا ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ”جب آپ کے پرور دگار نے فرشتوں سے کہا“۔

اللہ کا قول ہے : خبر دو مجھ کو، حالانکہ اللہ کو معلوم ہے کہ فرشتے علم نہیں رکھتے، اور نہ یہ قرین قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسا مطالبہ کرے گا جس کے متعلق یہ جانتا ہے کہ انہیں علم نہیں ہے۔

اگر فرشتے کوئی خبر بتکلف دیتے تو انہیں جیوٹ کا مرتکب کہا جاتا۔ تو یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ کلام تو بیخ و تہدید پر مبنی ہے کیونکہ ان سے کوتاہی سرزد ہو چکی تھی۔

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان فرشتوں کو اعتراف ہے کہ وہ انہی باتوں کو جانتے ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔ (البقرة : ۳۳) ”الم اقل لكم اني اعلم غيب السموات والارض“ (کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ آسمانوں اور زمین کی غایب چیزوں کو جانتا ہوں)۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فرشتے غفلت سرزد ہونے پر تادیب و تنبیہ کے مستحق نہ ہوتے، نہ اس کا کوئی مزید فائدہ ہوتا، کیونکہ کافروں اور اشقیاء کی باتوں کا علم بھی اللہ سے مخفی نہیں، پھر بزرگوں اور نیکوں کی باتوں کا علم کیونکر اس سے مخفی رہ سکتا ہے۔

البتہ نیکوکار لغزش یا باوہ گوئی کے وقت تنبیہ و توبیخ جیسے عتاب کے مورد ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”واقتوا النار التي اعدت للكافرين“ (ال عمران : ۳۱) اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتا ہے: ”اذا لا ذنباك ضعف الحياة“ (الاسراء : ۵۰) تب تو ہم آپ کو ضرور دوگنی حیات چکھائیں گے۔۔۔ پھر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: ”ومن يقل منهم اني ايله من دونه“ (الانبیاء : ۲۹) ”ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ میں اس کے سوا ایک معبود ہوں؟“ آزمائش کے وقت فرما لبرداروں سے نافرمانی کا اسکاں فقہاء و حکماء کے نزدیکیہک جایز ہے۔

ابتلا و آزمائش کی دلیل ان امور سے ظاہر ہوتی ہے کہ کہیں ان کے لئے امن و خوف جیسے افعال کا ذکر ہے، کہیں اللہ کی عبادت کرنے کی تعریف کی گئی ہے، نیز الوہیت کے دعویٰ کی تقدیر پر ان کے لئے وعید آئی ہے۔ اگر ان کا فعل خیر و شر تک محدود ہوتا تو عبادت و طاعت کی بنا پر تعریف و مدح کا احتمال نہ رہتا، اور معصیت و نافرمانی کے ناسمکن ہونے کی صورت میں ابتلا و آزمائش کی عظمت ظاہر نہ ہوتی، اور نہ اس کی بنیاد ہی ہوتی، کیونکہ طاعت تو نافرمانی سے بچنے کی صورت میں پائی جاتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ”لایعصون اللہ“ (التحریم: ۶) یہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، ایسا قول ان کے لئے نہیں سمجھا جاسکتا جو معصیت کے ارتکاب کا احتمال نہیں رکھتے۔

بنا بریں یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرشتوں سے گناہ کا سرزد ہونا ممکن ہے، او اسی طرح ان کی عبادتوں اور فرمانبرداریوں کی قدر و اہمیت دوبالا ہوتی ہے، جو امتحان و آزمائش میں ڈالے جاسکتے ہیں ان سے لغزش، یا وہ کوئی، بلکہ معصیت (گناہ) سرزد ہوسکتی ہے، اور ہربلاء میں مبتلا ہو سکتے ہیں إلا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان باتوں سے بچائے۔ اور محفوظ رکھے، اور بچانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے جس پر کوئی شخص فضل خداوندی سے پہلے حق نہیں جتا سکتا۔ اور نہ اس کا کوئی پیدا کردہ اس کو اپنے لئے لازم بنا سکتا ہے۔ تو ایسی آزمائش جائز ہے اور فرشتوں جیسے لوگوں سے لغزش سرزد ہونے سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ مخلوق کے ساتھ اسید نہ رکھی جائے۔ ناامیدی یقینی ہو جائے، گناہوں سے بچنے اور مدد چاہنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ ہونے پر (لوگوں کو) ورغلا یا جائے۔ کیونکہ ہزار کوئی شخص مقبول بارگاہ الہی ہو اور عظمت والا ہو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا، طاعت شے میں جبکہ یہ اس کے نفس کے سپرد کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ کس

کے خلاف کو پسند کریگا، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خشوع و خضوع کریگا ہے، اور گریہ و زاری کرے گا۔

رسولوں (علیہم الصلاۃ والسلام) کی لغزشوں کا مفہوم اسی طرح واضح ہوتا ہے۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولوں (علیہم الصلاۃ والسلام) سے لغزش سرزد نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان کو لغزشوں سے محفوظ رکھا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کا قول ”اتجعل فیہا من یفسد فیہا“ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں : (۱) یہ جملہ سوال ہے، جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بتایا کہ یہ لوگ ایسا کریں گے۔ تو فرشتوں نے پوچھا : وہ کیسے یہ کریں گے ؟ اے اللہ : تو نے ان کو پیدا کیا، رزق دی، طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ اور ہم لوگ، جب تو نے ہمیں پیدا کیا، تیری تسبیح خوانی کرتے ہیں، اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں ؟

یا (۲) یہ مفہوم ہے کہ ان کی عقلیں کیونکر نافرمانی کر سکتی ہیں، کہ اے اللہ ! ان پر تیری نعمتوں کا بڑا احسان ہے، اور ہم فرشتوں کے گروہ میں عقول ہمارے خلاف ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا : ”بیشک میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جس کو تم لوگ نہیں جانتے۔ (انی اعلم ما لا تعلمون۔)

یعنی میں ان کو آزمائش میں ڈالوں گا، ان پر شہوتوں کو غالب کردوں گا، جن کی وجہ سے طرح طرح کی غفلتوں میں پڑ جائیں گے کہ ان کا جاگنا دشوار ہوگا، ان کے دشمن بکثرت ہوں گے، اور خواہشات نفسانی کا غلبہ ہوگا، ہمساری باتیں اس وقت ہوں گی، جب کہ ان کی آزمائش بڑی ہوگی۔ یہ وجہ اس سوال کی بنا پر (قابل فہم) ہے کہ آخر ایسے لوگوں کے پیدا

کرنے میں جو اللہ کی نافرمانی کریں گے حکمت کیا ہے ؟

اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ وہ ان باتوں کو جانتا ہے جن کو تم لوگ نہیں جانتے۔ کیونکہ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کے دوست کون ہیں اور دشمن کون، اور یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو محتاج ہونے یا اپنی کسی منفعت کی وجہ سے نہیں پیدا کرتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اپنے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پیدا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ بعض لوگ دوسروں سے عبرت و نصیحت حاصل کریں، نافرمانوں کی سزا و وعید دوسرے لوگوں کے لئے تنبیہ، سرزنش اور نصیحت ہوتی ہے، اور ان سے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں،

اس آیت کی دوسری تعبیر یوں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”اتجمل فیہا، استفہام الکاری نہیں بلکہ جملے کا مفہوم ایجابی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو یہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے پیدا کرنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں جو تیرے حکم کو نہیں مانتے اور نہ ان کے نہ ماننے سے تجھ کو کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ ان لوگوں کے پیدا کرنے میں جو فرمانبردار ہیں تیرا کوئی فائدہ ہے، تیری تعریف اس بات سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ تیرا فعل کسی ضرر یا لفع کے لئے ہو۔

(ہمزہ استفہام کے ایجابی استعمال کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں) اثبات کے مفہوم کی مثال اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے: ”أَفَىٰ قُلُوبُهُمْ مَّرَضٌ أَمْ اُتُوا بِامْ يَخَافُونَ اَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ (سورة النور: ۵۰) کیا ان کے دلوں میں مرض ہے، یا شک میں مبتلا ہیں، یا ڈرتے ہیں مبادا اللہ تعالیٰ ظلم نہ کرے، یہاں استفہام اثبات کے لئے ہے، یعنی ان کے دلوں میں مرض ہے، شک میں مبتلا ہیں، اور اللہ کی ہکڑ سے ڈرتے ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ الف زائد ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :  
 ”ان تقتلنی كما قتلت نفسا بالاسم“ (سورة القصص : استشهاد ”اُترید ان تقتلنی  
 سے ہے ”اُترید“، سہواً ساقط ہو گیا ہے) مطلب یہ ہے کہ ”اے موسیٰ تم چاہتے  
 ہو کہ مجھ کو قتل کردو جیسا کہ تم نے ایک شخص کو گذشتہ کل قتل  
 کر دیا،“ دوسری آیت ہے : ”اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمِئِذٍ“ (سورة  
 فصلت : ۹) (بیشک تم لوگ البتہ اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین  
 کو دو دنوں میں پیدا کیا)۔ دونوں آیتوں میں ’انکم، اور ’ترید، مقصود ہے،  
 یہ مفہوم آیت کے اول معنی کی طرف راجع ہے۔

اور (امام ماتریدی نے) فرمایا، اللہ تعالیٰ کے قول : ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“  
 کا مطلب یہ ہے (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فساد برپا کرنے والوں کی خبر دی  
 تھی، ان انسانوں میں رسولوں اور لیکوکاروں کے متعلق کوئی خبر نہیں دی  
 تھی،) کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، کہ ان میں  
 لیکوکار ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تذکیر کی غرض سے آدم علیہ السلام  
 کو حکم دیا کہ ان فرشتوں کو خبر کر دیجئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی  
 نعمت دی ہے یعنی فرشتوں کو وہ اسماء، بتادیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو  
 سکھا یا ہے،

فرشتوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بشر یعنی انسان  
 میں ایسی صفت ہے جس کے نور کے پیدا کئے ہوئے لوگ محتاج ہوں گے۔ یعنی وہ  
 صفت جس کی وجہ سے ساری اشیاء سے پردے اٹھ جائیں گے اور ساری چیزیں  
 روشن اور واضح ہو جائیں گی۔ پھر یہ نور کے پتلے علم حاصل کرنے میں ایسے  
 شخص کے محتاج ہوں گے جو پانی مٹی سے بنا ہوا ہے، کہ دونوں میں شر و ظلمت،  
 تیرگی و تاریکی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھا دیا کہ یقین کر لیں کہ اشیاء کے

علم و معرفت کا طریقہ<sup>۴</sup> 'خلقت' (بیدا کرنا) نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور بڑا احسان ہے جس کو عطا کرتا ہے، اور کسی چیز کے حاصل کرنے یا کسی چیز سے بچنے کی قوت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کچھ فرشتے عتاب کے مستحق تھے کہ ان کے دل پر یہ بات گزری، گو انہوں نے لغزش و عصیان کا ارتکاب نہیں کیا۔ لیکن ایسی خفیف حرکت پر بھی جو معصیت تک نہیں پہنچتی انہیں عتاب کیا جاتا ہے، کہ ان کی شان بہت بلند ہے اور ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔

چنانچہ بعض باتوں پر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مورد تنبیہ ہوئے، حالانکہ ان سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی تھی، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”عفا اللہ عنک، الخ (سورة التوبة: ۴۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کیا۔ لیز ”ولا تجادل عن الذين یقتلون انفسهم“ (سورة النساء: ۱۰۷) ان کے بارے میں مجادلہ نہ کیجئے جو اپنے نفسوں میں خیانت کرتے ہیں، لیز ”واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ“ (سورة الاحزاب: ۳۷) (جب آپ اس سے کہہ رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت دی) حالانکہ اس میں کوئی گناہ نہ تھا، اسی طرح اللہ نے کہا ہے: ”یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك“ (سورة التحريم کی ابتداء) اے نبی آپ کیوں اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں، ان آیات میں ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عصیان و نافرمانی سرزد نہیں ہوئی، اسی طرح فرشتوں کے بارے میں سمجھنا چاہئے۔

کچھ لوگوں نے اس بارے میں کلام کیا ہے کہ فرشتوں کے قول کا مفہوم کیا ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ ظن تھا کہ وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت و کراست والے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ان پر فضیلت نہ دیکھا۔